مدارك التنزيل و حقائق التأويل

(وہ کتابیں اپنے آباء کی......اس عنوان کے تحت اسلام کے مصادر ومراجع میں سے کسی ایک کتاب کا تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے، اس بار مشہور کتاب تفسیر نسفی کا تعارف نذر قارئین ہے)

مولانا نورالرحمٰن ہزاروی

تفسیر مدارک اور فقہی مسائل! آیات احکام کی تفسیر کرتے ہوئے امام نسفیؒ ان آیات سے متعلق فقہی مذاہب بھی بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، مگر ان میں زیادہ خوض نہیں فرماتے، چونکہ مسلکاً حنفی ہیں، اس لیے اپنے مذہب کا دفاع کرتے اور دیگر اہل مذاہب پر رد کرتے ہیں، بطورِ نمونہ ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

سورۃ الطلاق کی آیتِ کریمہ: ﴿أسكنوهنّ من حيث سكنتم من وُجدكم ولا تُضارّوهنّ لِتُضَيِّقُوا عليهنّ وإن كنّ أولات حمل فأنفقوا عليهنّ حتّى يضعن حملهنّ فإن أرضعن لكم فآتوهنّ أجورهنّ . . .﴾ کی تفسیر کے ذیل میں انہوں نے فرمایا: . . . . والنفقة والسكنى واجبتان لكل مطلقة . وعند مالك والشافعيّ :ليس للمبتوتة إلّا السكنى، ولا نفقة لها . وعن الحسن والحماد : لا نفقة لها ولا سكنى ؛ لحديث فاطمة بنت قيس :أن زوجها بتّ طلاقها ، فقال رسول الله ﷺ :لا سكنى لك و لا نفقة . وعن عمر رضي الله تعالى عنه: لا ندع كتاب ربّنا ولا سنّة نبيّنا بقول امرأة لعلّها نسيت أو شبّه لها ، سمعت النبي ﷺ يقول : لها السكنى والنفقة . . . ﴿فإن أرضعن لكم﴾ يعني : هؤلاء المطلقات إن أرضعن لكم ولداً من ظئرهنّ أو نهنّ بعد انقطاع عصمة الزوجية ﴿فآتوهنّ أجورهنّ﴾ فحكمهن في ذلك حكمُ الأظار . ولا يجوز لاستئجار إذا كان الولد منهنّ مالم يبنّ. ويجوز عند الشافعي .(مدارك التنزيل :۲/ ۱۸۲۵،۱۸۲۶)

..........اس آیت کریمہ کے تحت امام نسفیؒ نے دو مسائل ذکر فرمائے: پہلا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ احناف کے ہاں ہر قسم کی مطلقہ کے لیے سکنیٰ اور نفقہ واجب ہے، جب کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں مبتوتہ (مطلقہ بائنہ) کے لیے سکنیٰ تو ہے، مگر نفقہ نہیں۔ امام حسن اور امام حماد تو مبتوتہ کے لیے نہ نفقہ کے قائل ہیں اور نہ سکنیٰ کے۔ ان کی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو طلاق بائن دی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''تیرے لیے نہ سکنیٰ ہے اور

نہ نفقہ"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ہم ایک عورت کی وجہ سے اپنے رب کی کتاب اور اپنے پیغمبر ﷺ کی سنت مبارکہ کو نہیں چھوڑ سکتے، پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ عورت آپ ﷺ کی کہی ہوئی بات بھول چکی ہے یا اس کو اشتباہ ہوگیا ہے، جب کہ میں نے خود آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ایسی عورت کے لیے نفقہ اور سکنیٰ دونوں ہیں..... اس کے بعد انہوں نے دوسرا مسئلہ مطلقہ عورت کو سابقہ خاوند کے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت دینے سے متعلق بیان فرمایا کہ مطلقہ عورت اگر سابقہ خاوند کے بچے کو دودھ پلائے، خواہ یہ بچہ خود اس عورت نے عصمت زوجیت کے انقطاع کے بعد جنا ہو یا خاوند کی دوسری بیوی کا ہو تو خاوند پر لازم ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلانے کی اجرت اس مطلقہ کو دے، اس بابت اس کا حکم اتفاقی ہے، ہاں اگر عصمت زوجیت کے منقطع ہونے سے پہلے جنا ہو تو پھر اجرت جائز نہیں، البتہ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے۔

نوٹ: خط کشیدہ عبارت ہم نے "کشاف" سے لی ہے، یہاں تفسیر مدارک میں عبارت یوں تھی: وعند مالك والشافعي: لا نفقة للمبتوتة ؛لحديث فاطمه بنت قيس . . . مگر ظاہر ہے کہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث نہ امام مالک اور امام شافعی کی دلیل ہے اور نہ بن سکتی ہے، جس سے ہمیں تشویش ہوئی، اچانک اس پر حاشیہ میں محقق کی تعلیق دیکھی، جنہوں نے لکھا ہے: کشاف کی عبارت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "سقط" ہوا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کشاف کی وہ عبارت ذکر کی، جس پر ہم نے خط کھینچا ہے۔ ہم نے بھی "کشاف" کی مراجعت کی تو معلوم ہوا کہ واقعۃً سقط ہوا ہے، جس پر ہم نے وہاں سے بقیہ عبارت لی اور بات بن گئی..... دوسرا خط کشیدہ لفظ "بتَّ" ہے، "مدارک" میں "أبى" کا لفظ ہے، جو یہاں لگتا نہیں ہے، "کشاف" کی طرف رجوع کیا تو وہاں "أبت" کا لفظ تھا، اس پر شیخ محمد علیان مرزوقی کا حاشیہ دیکھا تو انہوں نے "تفسیر نسفی" کے کسی نسخہ کا حوالہ دیا ہے کہ اس میں "بتَّ" لکھا ہوا ہے، لہٰذا یہاں بھی "بتَّ" ہی ہوگا اور یقیناً ایسا ہی ہے۔

تفسیر نسفی اور قراءات قرآنیہ! علم تفسیر اور علم قراءات اگر چہ دونوں مستقل علوم ہیں کہ اول کا مرجع درایت اور ثانی کا روایت ہے، مگر چونکہ روایت کا درایت کی تحقیق میں اور درایت کا روایت کی تحقیق میں گہرا اثر ہے، اس لیے باوجود دونوں کے جدا اور مستقل ہونے کے دونوں کے درمیان گہرا ارتباط و تعلق ہے، چنانچہ ابن عاشور کہتے ہیں: "ورجحان قراءة من القراء تين يرجح أحد المعنيين المفروضيين في تفسير الآية ، و رجحان أحد المعنيين قد يرجح إحدى القراء تين على الأخرى ".(التفسير و رجاله :ص ٢٥) یعنی: "دو قراءتوں میں اگر کوئی قراءت راجح ہو تو وہ متعلقہ آیت کے دو محتمل معنوں میں سے ایک معنی کو راجح کر دیتی ہے اور اسی طرح دو معنوں میں سے جو معنی راجح ہوں تو وہ دو قراءتوں میں ایک کو ترجیح دینے میں معاون ہوتے ہیں۔"

امام نسفیؒ بھی چونکہ علم تفسیر اور علم قراءات کے اس گہرے تعلق سے واقف ہیں، اس لیے وہ اپنی تفسیر میں جا بجا دیگر قراء

توں کا بھی ذکر کرتے ہیں، کتاب میں اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں، بطور نمونہ ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

سورۃ الحاقہ کی آیات کریمہ: ﴿ وما هو بقول شاعر قليلاً ما تؤمنون ○ ولا بقول كاهنٍ قليلاً ما تذكّرون ○ ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا: . . . وبالياء فيهما :مكيٌّ و شاميّ و يعقوب و سهل . و بتخفيف الذال كوفيّ غير أبي بكر . . . (مدارك التنزيل :۱۸۵۹/۳) یعنی: "تؤمنون " اور " تذكرون " میں ایک قراءت "یاء" (صیغہ جمع مذکر غائب) کے ساتھ ہے۔ یہ قراءت اہل مکہ، اہل شام، امام یعقوب اور امام سہل کی ہے، اسی طرح امام ابوبکر کے علاوہ اہل کوفہ کی قراءت " تذكرون " میں ذال کی تخفیف کے ساتھ ہے۔

امام نسفیؒ اور اعرابی مباحث! امام نسفیؒ آیات کریمہ کی تفسیر کے ذیل میں بقدر ضرورت صرفی اور اعرابی مباحث سے بھی تعرض کرتے ہیں، کسی لفظ کی اعرابی حیثیت بیان کرتے ہوئے وہ خروج عن المبحث یا خلطِ مبحث کا ارتکاب نہیں کرتے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ صرفی یا اعرابی بحث کے دوران گہرائی میں جائیں۔ بطور نمونہ دونوں کی ایک ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

سورۃ الفاتحہ کہ آیت کریمہ: ﴿ غير المغضوب عليهم ولا الضالّين ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں : بدل من ﴿الذين أنعمت عليهم ﴾، يعني : أن المنعم عليهم هم الذين سلموا من غضب الله والضلال ، أو صفة لذين ، يعني: أنهم جمعوا بين النعمة المطلقة ـ وهي نعمة الإيمان ـ و بين السلامة من غضب الله والضلال إنما ساغ وقوعه صفة للذين وهو معرفة ، و غير لا يتعرّف بالإضافة ؛ لأنّه إذا وقع بين متضادين و كانا معرفتين تعرّف بالإضافة ، نحو: عجبت من الحركة غير السكون ، والمنعم عليهم والمغضوب عليهم متضادان ، ولأن الذين قريب من النكرة ؛لأنه لم يرد به قومٌ بأعيانهم و غير المغضوب عليهم قريب من المعرفة للتخصيص الحاصل له بإضافته . فكلّ واحد منهما فيه إبهام من وجهٍ واختصاص من وجهٍ ؛ فاستويا ." وعليهم " الأولى محلّها النصب على المفعوليّة . و محلّ الثانية الرفع على الفاعلية .(مدارك التنزيل :۲۲،۲۱/۱) .... "غير" کی اعرابی حیثیت واضح کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: یہ " الذين " سے بدل ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ "منعم علیہم وہ لوگ ہیں جو اللہ کے غضب اور گمراہی سے بچے رہیں" یا " غير "، " الذين " کی صفت ہے اور مطلب آیت کریمہ کا یہ ہے کہ "منعم علیہم نعمت کاملہ یعنی نعمت ایمان سے بھی سرفراز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور گمراہی سے بھی بچ گئے"۔ رہی یہ بات کہ " غير " تو اضافت کی وجہ سے معرفہ نہیں ہوسکتا تو اس کا " الذين " رفہ کے لیے صفت بننا کیوں کر درست ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ " غير " جب دو ایسے متضادان کے درمیان واقع جو دونوں معرفہ ہوں تو اضافت کی وجہ سے اس میں تعریف آجاتی ہے، جیسے: قائل کے اس قول میں ہے: عجبت من حركة غير السكون اور پیش نظر آیت کریمہ میں بھی " غير " متضادین معرفہ کے درمیان واقع ہے، اس کے علاوہ ایک وروجہ یہ بھی ہے کہ " الذين " کی تعریف بھی ناقص ہے، یہ نکرہ کے قریب ہے، کیوں کہ اس سے کوئی متعین قوم مراد نہیں ہے

اور " غير المغضوب عليهم "معرفہ کے قریب ہے اور یہ قرب اسے اضافت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے، گویا " الذين "اور " غيــــر " دونوں میں سے ہر ایک میں من وجہ ابہام بھی ہے اور تخصیص بھی، پس دونوں ابہام اور تخصیص کے اعتبار سے مساوی ہوئے، لہٰذا " غیر " کا "الـذين " کی صفت بننا درست ہوگا۔ نیز پہلا " عـلـيـهـم " مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور دوسرا " عليهم " نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت کریمہ: ﴿ هـدىً للمتقين ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا: . . . والـمـتقي في اللغة : اسم فـاعـل مـن قولهم :وقاه فاتّقى ، ففاؤها واو ، ولامها ياء . وإذا بنيت من ذلك افتعل قلبت الواو تاءً ، وأدغمتها فـي التـاء الأخـرى ، فـقـلـت : اتّقَى .(مدارك التنزيل: ١/ ٢٧)........ " المتقي " کی لغوی صرفی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا: یہ "وقاہ فاتقی" سے اسم فاعل ہے، اس کا فاء کلمہ واو اور لام کلمہ یاء ہے اور لفیف مفروق یا مثال سے افتعال کے صیغے بناتے وقت واو کو تاء سے بدل کر اس تاء مبدلہ کو تاءِ افتعال میں مدغم کر دیتے ہیں، لہٰذا "وقی" سے "اتقی "ہوگیا۔

امام نسفیؒ اور اشعار عرب سے استشہاد! امام نسفیؒ آیات کریمہ کی تفسیر کے دوران بعض الفاظ کے لغوی یا مرادی معنی بیان کرتے ہوئے یا اعرابی و نحوی بحث ذکر کرتے ہوئے بکثرت فصحائے عرب کے اشعار سے استشہاد کرتے ہیں۔ تفسیر مدارک میں اس کی متعدد مثالیں ہیں، بطور نمونہ دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

سورۃ البقرۃ کی ابتدائی چار آیات: ﴿ هـدىً للمتقين . . . و بالآخرة هم يو قنون ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں انہوں نے والـذين يؤمنون کے متعلق ایک احتمال یہ بیان فرمایا کہ یہ " المتقين " کی صفت بھی ہو سکتی ہے، جس طرح ﴿ الـذين يؤمنون بـالغيب . . . ﴾ اس کی صفت ہے، البتہ یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اگر یہ صفت ہے تو واو عاطفہ پھر کیوں لایا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ صفات کے درمیان واو لانا ثابت ہے، جیسے: آپ کا یہ قول: " هو الشجاع والجواد" اور شاعر کا یہ شعر:

إلى الملِكِ القَرْمِ وابنِ الهُمامِ   وليثِ الكَتِيبةِ في المزدَحَمْ

اس شعر میں " الملك "موصوف ہے اور " القرم " اس کی صفت ہے، "ابن الهمام" اور " ليثِ الكتيبة " تینوں اس کی صفات ہیں، جن کے درمیان واو عاطفہ لایا گیا ہے تا کہ ان صفات کا موصوف کے ساتھ ربط مؤکد و مضبوط ہو جائے۔ (مدارك التنزيل: ١/ ٢٩)

اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آیت کریمہ: ﴿ إنهـا بـقـرة لا فارضٌ ولا بكرٌ عوانٌ بين ذلك . . . ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں انہوں نے فرمایا: . . . ولـم يـقـل بيـن ذيـنـك مع أنّ بين يقتضي شيئين فصاعداً ؛ لأنه أراد بين ه المذكور ، وقد يجرى الضمير مجرى اسم الإشارة في هذا ، قال أبو عبيدة : قلت لرؤبة في قوله :

فيها خطوط من سواد و بَلَق   كأنّه في الجِلْدِ توليع البَهَق

إن أردت الـخطوط فقل : كأنّها ، وإن أردت السواد والبلق فقل :كأنهما ،فقال : أردت :كأن ذاك

.(مدارك التنزيل : ١ /٧٨)........ یہاں امام نسفیؒ نے ایک اشکال ذکر کرکے اس کا جواب دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ " بین " دو یا زائد چیزوں کا تقاضہ کرتا ہے، نظر برآن " بین ذلك " کے بجائے "بین ذینك " کہنا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ دیا کہ " ذلك " بھی شیئین کے معنی میں ہے، اس طور پر کہ اس سے سابق میں مذکور " فارض " و بکر " کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ادنی مناسبت سے ایک مفید قاعدہ بتایا کہ جس طرح اسم اشارہ واحد مذکر کے ذریعے متعدد امور کی طرف مذکور وغیرہ کی تاویل سے اشارہ کیا جا سکتا ہے، اسی طرح ضمیر واحد مذکر کو بھی بتاویل مذکور متعدد چیزوں کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے۔ اس پر انہوں نے بطور استشہاد ابو عبیدہ اور رؤبہ بن العجاج کا مناظرہ ذکر کیا کہ ابو عبیدہ نے رؤبہ کے اس شعر پر اعتراض کیا:

فيها خطوط من سواد و بَلَق   كأنّه في الجِلْدِ توليع البَهَق

اور کہا کہ تمہاری مراد خطوط (لکیریں) ہیں تو تمہیں مؤنث کی ضمیر لاتے ہوئے " كأنها" کہنا چاہیے تھا اور اگر تمہاری مراد " سواد " اور " بلق " ہیں تو تثنیہ کی ضمیر لاتے ہوئے " كأنهما " کہنا چاہیے تھا، جب کہ تم نے " كأنه " کہا ہے۔ اس پر رؤبہ بن العجاج نے اس کو جواب دیا: أردت : كأن ذاك . مطلب یہ ہے کہ یہاں میں نے ضمیر واحد مذکر کو اسم اشارہ واحد مذکر کی طرح استعمال کیا ہے، جس طرح اسم اشارہ واحد مذکر سے متعدد چیزوں کی طرف بتاویل "مذکور" اشارہ کیا جا سکتا ہے، اسی طرح ضمیر واحد مذکر کو بھی بتاویل مذکور متعدد چیزوں کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے۔

تفسیر نسفی اور علوم بلاغت! ہم پچھلے صفحات میں بارہا ذکر کر آئے ہیں کہ تفسیر نسفی درحقیقت تفسیر کشاف کی تلخیص اور تہذیب ہے، چنانچہ دیگر متعدد پہلوؤں سے تفسیر کشاف سے استفادہ کے علاوہ امام زمخشریؒ نے اپنی تفسیر میں جو بلاغی نکتے اور بدیعی محسّنات ذکر کیے ہیں، امام نسفیؒ نے اختصار کے ساتھ وہ تمام چیزیں اپنی تفسیر میں ذکر کی ہیں، چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں

☆...... سورۃ الفاتحہ کی آیت کریمہ: ﴿إياك نعبد وإياك نستعين ﴾ کی تفسیر کے تحت انہوں نے فرمایا: . . . .

.وعدل من الغيبة إلى الخطاب للالتفات ،وهو : قد يكون من الغيبة إلى الخطاب ، ومن الخطاب إلى الغيبة ، ومن الغيبة إلى التكلّم ، كقوله تعالى: ﴿ حتى إذا كنتم في الفلك و جرين بهم بريح طيّبة ﴾ ،وقوله: ﴿ والله أرسل الرياح فتثير سحاباً فسقناه ﴾ ،وقول امرئ القيس :

تطاول ليلُكَ بالأثمد   ونام الخَليُّ ولم ترقُد

وبات و باتت له ليلةٌ   كلَيلةِ ذي العائر الأرمد

وذلك من نبإٍ جاءني   و خُبّرتُه عن أبي الأسود

فالتفت في الأبيات الثلاثة ، حيث لم يقل : ليلي، و بِتّ، و جاءك . . . (مدارك التنزيل: ١ / ٢٠)........ مطلب یہ ہے کہ ﴿ إياك نعبد وإياك نستعين ﴾ میں غائب سے حاضر کی طرف بقصد

التفات عدول کیا گیا ہے، التفات کبھی غائب سے حاضر، کبھی حاضر سے غائب اور کبھی غائب سے متکلم کی طرف ہوتا ہے ،جیسا کہ ان آیات کریمہ میں ہے: ﴿ حتی إذا کنتم في الفلك و جرین بهم بریح طیّبة ﴾ اور ﴿ والله أرسل الریاح فتثیر سحاباً فسقناه ﴾۔ پہلی آیت میں حاضر سے غائب اور دوسری آیت میں غائب سے متکلم کی طرف التفات کیا گیا ہے، امرؤ القیس کے ان اشعار میں بھی صنعت التفات ہے:

تطاول لیلُك بالأثمد ونام الخَليُّ ولم ترقُد
وبات و باتت له لیلة كلَیلةِ ذي العائر الأرمد
وذلك من نَبَإٍ جاء ني وخُبِّرتُه عن أبي الأسود

ان اشعار میں تین التفات ہیں: پہلا "لیلك" میں ہے، چونکہ مقام، مقامِ تکلّم ہے، اس لیے بمقتضائے ظاہر "لیلي" کہنا چاہیے تھا مگر شاعر نے بطور التفات "لیلك" کہا۔ دوسرا التفات "بات" میں ہے، اس میں غائب کی طرف التفات ہے، تیسرا التفات "جاء ني" میں ہے، اس میں متکلم کی طرف التفات ہے۔

☆......سورۃ البقرۃ کی آیت کریمہ: ﴿ أو کصیّب من السماء فیه ظلمات و رعد و برق ...﴾ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا: ثنّی الله سبحانه و تعالی في شأنهم بتمثیل آخر لزیادة الکشف والإیضاح . شبّه المنافق في التمثیل الأوّل بالمستوقدناراً ، وإظهارَه الإیمانَ بالإضاءة ، وانقطاعَ انتفاعه بانطفاء النّار . و هنا شبّه دینُ الإسلام بالصیّب ؛لأن القلوب تحیا به حیاةَ الأرض بالمطر ، وما یتعلق به من شُبَه الکفار بالظلمات ، وما فیه من الوعد والوعید بالرعد والبرق ، وما یصیبهم من الأفزاع والبلایا من جهة أهل الإسلام بالصواعق . والمعنی: أو کمثل ذوي صیّب ، فحذف "مثل" لدلالة العطف علیه ، و "ذوي" لدلالة "یجعلون" علیه .والمراد: کمثل قوم أخذتهم السماء بهذه الصفة ،فلقوا منها ما لقوا فهذا تشبیه أشیاء بأشیاء ،إلّا أنّه لم یصرّح بذکر المشبّهات ، کما صرّح في قوله :﴿ وما یستوي الأعمی والبصیر والذین آمنوا و عملوا الصالحات ولا المسيءُ﴾ ،وقول امرئ القیس :

کأن قلوب الطیر رَطباً و یابساً لَدَی وَکرِها العُنّابُ والحَشَفُ البالي

بل جاء به مطویّا ذکره علی سَنَن الاستعارة ، والصحیح أن التمثیلین من جملة التمثیلات المرکّبة دون المفرّقة .(مدارك :۱/۴۱،۴۲)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقین کے حال کی مزید وضاحت کے لیے ان کی ایک اور تمثیل بیان فرمائی ہے، پہلی تمثیل میں منافق کو آگ جلانے والے کے ساتھ، اس کے اظہار ایمان کو روشن کرنے اور عدم انتفاع کو آگ بجھنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جب کہ دوسری تمثیل میں دین اسلام کو بارش کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیوں کہ اسلام سے

دلوں کو حیات ملتی ہے، جس طرح بارش سے زمین کو حیات ملتی اور وہ زرخیز ہوتی ہے اور اسلام سے متعلق کفار کے شبہات کو اندھیروں کے ساتھ، اس میں وعد اور وعید کو گرج اور بجلی کے ساتھ اور مسلمانوں کی طرف سے کفار کو پہنچنے والی گھبراہٹوں، پریشانیوں اور مصائب کو کڑک کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے: " أو کمثل ذوي صیب . . . پھر "مثل " کو جانبِ معطوف علیہ میں مذکور " مثل "کی وجہ سے حذف کردیا گیا اور " ذوي "کو بھی حذف کردیا گیا، کیوں کہ "یجعلون " اس پر دلالت کر رہا ہے۔ آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے: ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جن پر آسمان سے زور کی بارش برسے، جس میں اندھیرے بھی ہوں اور گرج اور بجلی بھی اور وہ لوگ اس ڈر سے کہ کہیں صواعق کی گرج دار آواز سے ہلاک نہ ہو جائیں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں تا کہ وہ صواعق کی آواز ہی نہ سن سکیں...... غرض اس آیت کریمہ میں کئی چیزوں کو کئی چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، مگر مشبّہات کا ذکر صراحۃً نہیں کیا گیا، جس طرح اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے: ﴿ وما یستوي الأعمی والبصیر والذین آمنوا و عملوا الصالحات ولا المسيءُ﴾ "أعمی " اور " بصیر " دونوں مشبہ ہیں، پہلے کے ساتھ نیک عمل شخص کو اور دوسرے کے ساتھ بد عمل شخص کو تشبیہ دی گئی ہے اور دونوں مشبہ بہ صراحۃً مذکور ہیں۔ اسی طرح امرؤالقیس کے اس شعر میں بھی ہے:

كأن قلوب الطير رَطباً و يابساً لَدَى وَكْرِها العُنَابُ والحَشَفُ البالي

اس شعر میں " العُنَاب " اور " الحشف البالي " دونوں مشبہ ہیں، اول کے ساتھ پرندوں کے تر و تازہ دلوں کو اور ثانی کے ساتھ ان کے خشک اور سوکھے ہوئے دلوں کو تشبیہ دی گئی ہے اور دونوں مشبہ بہ صراحۃً مذکور ہیں۔ غرض اس آیت کریمہ میں مشبہ بہ کو صراحۃً ذکر نہیں کیا گیا، بل کہ استعارہ کے طرز پر مشبّہات کو حذف کردیا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ اور اس سے پہلی والی آیت دونوں میں مذکور تمثیلیں تمثیلات مرکبہ ہیں، نہ کہ مفرّقہ...... غرض اس نوع کی تفسیر مدارک میں سینکڑوں مثالیں ہیں۔

تفسیر نسفی اور مخالفین اہل سنت! امام نسفیؒ تفسیر میں جا بجا باطل فرقوں مثلاً معتزلہ، کرامیہ، جہمیہ، مشبہہ اور روافض وغیرہ پر رد بھی کرتے ہیں، اگر چہ یہ رد اشارۃً اور اجمالاً ہی ہوتا ہے، بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

☆...... سورۃ السجدہ کی آیت کریمہ: ﴿ خالدین فیها أبداً . . . ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں جہمیہ جو جنت و جہنم کے فانی ہونے کے قائل ہیں، پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: هذا یردّ مذهب الجهمیة ؛لأنهم یزعمون أن الجنة والنّار تفنیان . . . (مدارك التنزیل :۳/۱۳۸۸)

☆......روافض اور ملحدین کہتے ہیں کہ سورۃ الاحزاب کا کچھ حصہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں موجود ایک صحیفے میں تھا، ان کی ایک بکری نے کھالیا تھا، سورۃ الاحزاب کی تفسیر میں ان پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وأما ما یحکی أن تلك الزیادة کانت في صحیفة بیت عائشة رضي الله عنها، فأکلتها الداجنُ فمن تألیفات الملاحدة والروافض

.(مدارك التنزيل :/۱۳۵۷،۱۳۵۸)

☆......مشبہہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے جہات ثابت کرتے ہیں، بعض آیات سے وہ استدلال بھی کرتے ہیں، ایسی بات میں وہ ان کا استدلال باطل کرتے ہیں، مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت کریمہ: ﴿ . . . ثم يعرج إليه في يوم كان مقداره ألف سنة ممّا تعدّون ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں: ولا تمسّك للمشبّهة بقوله "إليه "في إثبات الجهة ؛لأن معناه :إلى حيث يرضاه ،أو أمره ، كما لا تشبّث لهم بقوله : ﴿إني ذاهب إلى ربّي ﴾ ،﴿إنّي مهاجر إلى ربّي﴾ ،﴿ومن يخرج مهاجراً إلى الله﴾(مدارك:۳/۱۳۵۰)

☆......سورۃ البقرۃ کی آیت کریمہ: ﴿ ومن الناس من يقول آمنّا بالله واليوم الآخر وما هم بمؤمنين﴾ کی تفسیر کے ذیل میں کرامیہ جو کہتے ہیں کہ ایمان اقرار باللسان کا نام ہے، پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں : والآية تنفي قول الكرّامية:إن الإيمان هو: الإقرار باللسان لا غير ؛لأنه نفي عنهم اسم الإيمان مع وجود الإقرار منهم، وتؤيّد قول أهل السنّة :إنّه إقرار باللسان و تصديق بالجَنان.(مدارك التنزيل:۱/۳۴)

تفسیر نسفی اور اسرائیلی روایات: اسرائیلیات سے متعلق ہم اس کالم میں بارہا گفتگو کر آئے ہیں۔ اسرائیلیات یا اسرائیلی روایات سے مراد وہ قصے کہانیاں ہیں جو اہل کتاب کے واسطوں سے ہم تک پہنچی ہیں، ان کا شمار قرآن کریم کے ناقابل اعتبار مآخذ میں ہوتا ہے۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ سلف وخلف میں بہت کم مفسرین ایسے ہیں جو اپنی تفاسیر کو ان سے آلودہ ہونے سے بچا پائے ہیں۔ امام نسفی اس حوالے سے ذرا نرم گوشہ رکھتے ہیں، چنانچہ عصمت انبیاء اور مسلمات وعقائد سے متصادم اسرائیلیات کو ذکر کر کے ان پر تو خوب رد کرتے ہیں، البتہ جو اسرائیلیات بے ضرر قسم کی ہیں اور صدق وکذب دونوں کا احتمال ان میں موجود ہے اور عقل وشرع کے بھی متصادم نہیں ہیں تو وہ ان کو ذکر کرتے ہیں اور ان پر تبصرہ کیے بغیر گزر جاتے ہیں، بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

☆......سورۃ النمل کی آیت کریمہ: ﴿ ولقد فتنّا سليمان وألقينا على كرسيّه جسداً ثمّ أناب ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق کچھ اسرائیلی قصے ذکر کرتے ہیں، مگر چونکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصمت کے منافی نہیں ہیں، اس لیے ان پر بغیر کوئی تبصرہ کیے ہوئے وہ آگے گذر گئے، اس کے بعد آگے چل کر کچھ قصوں کی طرف جو عصمت انبیاء کے منافی ہیں، اشارہ کر کے ان کو اباطیل یہود قرار دیا، ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''وأمّا ما يُروى من حديث الخاتم والشيطان ، وعبادة الوثن في بيت سليمان عليه السلام : فمن أباطيل يهود".

☆......سورۃ النمل ہی کی آیت کریمہ: ﴿ وهل أتاك نبأ الخصم إذ تسوّروا المحراب إذ دخلوا على داود . . . . واهدنا إلى سواء الصراط ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق کچھ اسرائیلی قصے بیان کیے، مگر چونکہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عصمت کے منافی نہیں تھے، اس لیے بغیر کوئی تبصرہ کیے آگے بڑھ گئے، تھوڑا آگے چل کر کچھ ایسے

اسرائیلی قصوں جن میں اوریا کی بیوی پر عاشق ہونے اور اس سے شادی کی غرض سے حیلہ جوئی کرتے ہوئے اوریا کو جہاد میں بھیجنے وغیرہ کا ذکر ہے کی طرف اشارہ فرمایا، یہ قصے چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی شان وعصمت کو داغ دار کر رہے تھے اس لئے ان پر سخت الفاظ میں رد فرمایا اور انہیں انتہائی گھٹیا قرار دیتے ہوئے ایسے شخص کو قابل جلد قرار دیا، ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: وما یحکی أنه بعث مرة بعد مرة أوریا إلی غزوہ البلقاء، وأحبّ أن یقتل ،لیتزوجها فلا یلیق من المتّسمین بالصلاح من أفناء الناس ، فضلاً عن بعض أعلام الأنبیاء . وقال عليّ رضي الله عنه :من حدّثکم بحدیث داود علیه السلام علی ما یرویه القُصّاص ، جلدته مائة و ستّین ، وهو حد الفریة علی الأنبیاء . . .

تفسیر نسفی کی خصوصیات ایک نظر میں! اس میں کوئی شک نہیں کہ تفسیر نسفی ایک انتہائی بہترین اور عمدہ تفسیر ہے، جس میں جامعیت بھی ہے اور اختصار بھی اور اختصار بھی غیر مخل بالفہم، جس میں بلاغی نکتے اور بدیعی محسنات بھی ہیں اور اعرابی ولغوی مباحث بھی، یہ بہت کم وقت میں قاری کو بہت کچھ دیتی ہے۔ غرض حل قرآن کے لئے یہ ایک اچھی تفسیر ہے، جو ایک مستند اور عبقری صفت عالم کی لکھی ہوئی تفسیر ہے، اگر تفسیر جلالین کی جگہ اس کو داخلِ نصاب کیا جائے تو کیا ہی اچھی بات ہوگی، جب کہ امام نسفیؒ حنفی بھی ہیں اور تفسیر جلالین کے دونوں مفسّر شافعی المسلک ہیں، خیر! مسلک وجہ ترجیح وایثار نہیں، وجہ ترجیح تفسیر جلالین کے مقابلے میں اس کی بیش بہا خوبیاں ہیں، اس میں تفسیر کے ساتھ ساتھ نحو، بلاغت، ادب وغیرہ علوم کی بہترین طریقے سے تمرین واجراء بھی ہو جاتا ہے، جس سے طلبہ کی استعداد وصلاحیت میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ.

انتقادات: مگر ان سب خصوصیات کے باوجود چند امور جو تفسیر کے مطالعے کے دوران نظر آئے، قابلِ نقد ہیں، کچھ ان میں سے درج ذیل ہیں:

☆......ایک قابل نقد امر تو یہ ہے کہ امام نسفیؒ نے امام زمخشریؒ کی تفسیر کشاف سے تعبیرات ومضامین میں بہت زیادہ استفادہ کیا، مگر اس کا حوالہ انہوں نے کتاب کے کسی حصے میں نہیں دیا، اس پر شروع میں ہم تفصیلی کلام کر چکے ہیں۔

☆......بعض آیت کریمہ کی تفسیر انہوں نے باطل روایات کی بنیاد پر کی، مثلاً سورۃ الاحزاب کی آیت کریمہ: ﴿ وإذ تقول للذي أنعم الله علیه وأنعمت علیه . . . وإذا قضوا منهن وطرا و کان أمر الله مفعولاً ﴾ کی تفسیر میں انہوں نے ایک آیت ذکر کی، جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کو دیکھا تو آپ ﷺ کے دل میں ان کی محبت پیدا ہوگئی اور آپ ﷺ نے یہ الفاظ کہے: " سبحان الله مقلّب القلوب "، کیوں کہ آپ ﷺ کے دل میں ان کی طرف پہلے رغبت نہیں تھی، مگر اس بار ان کو دیکھا تو رغبت ہوگئی اسی لیے آپ ﷺ نے " سبحان الله مقلب القلوب " کے الفاظ فرمائے۔ حضرت زینبؓ نے یہ ماجرا حضرت زیدؓ کو سنایا تو حضرت زیدؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں زینب سے جدا ہونا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے دل میں اس کے متعلق کوئی شک ہے؟ انہوں نے کہا: واللہ! ایسی کوئی بات نہیں، مگر ان کا خاندانی شرف اور اعلیٰ نسب میرے لیے

پریشان کن اور باعث اذیت ہے، آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: أمسك عليك زوجك ﴿واتق الله﴾ فلا تطلقها.
اس کے بعد آگے جاکر ﴿و تخفي في نفسك ما الله مبديه﴾ کی تفسیر کے ذیل میں امام نسفیؒ نے فرمایا: أي: تخفي في نفسك نكاحها إن طلقها زيدٌ، وهو الذي أبداه الله تعالى، وقيل: الذي أخفى في نفسه: تعلق قلبه بها ومودة مفارقة زيد إياها. یعنی: آپ ﷺ اپنے دل میں یہ بات چھپا کر رکھے ہوئے تھے کہ زید ان کو طلاق دے دے تو میں اس سے نکاح کرلوں اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات ظاہر کرنا منظور تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جو بات دل میں چھپا کر رکھی تھی وہ حضرت زینبؓ سے محبت اور زید کے ان کو طلاق دینے کی خواہش تھی۔ (مدار کالتنزیل: ۱۳۷۴/۳)

آیت کریمہ کی یہ تفسیر جس قصے اور روایت پر ہے اس کا راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے جو کہ متہم بالکذب ہے اور اس پر غرائب اور موضوعات کی روایت کا الزام ہے۔ حافظ ابن حجرؒ قتادہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد اس پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ووردت آثار أخرى، أخرجها ابن أبي حاتم والطبري، ونقلها كثير من المفسّرين، لا ينبغي التشاغل منها. (فتح الباري: ۸/ ۴۲۵) حافظ ابن کثیرؒ نے بھی امام ابن ابی حاتمؒ اور امام طبریؒ کی تخریج کیے ہوئے آثار پر جو انہوں نے بعض اسلاف سے نقل کیے ہیں، یہی تبصرہ فرمایا ہے۔ (تفسير ابن كثير: ۴/ ۲۲۵)

☆...... سورۃ التوبہ کی آیت: ﴿ومنهم من عهد الله لئن اتنا من فضله . . . . بما أخلفوا الله ما وعدوه و بما كانوا يكذبون﴾ کا شان نزول ایک بدری صحابی حضرت ثعلبہؓ بن حاطب کی روایت کو قرار دیا۔ (مدارك: ۲۳۸/۱) اس قصے اور روایت کی بابت اس کالم میں ہم کئی مرتبہ تفصیلی کلام کر چکے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ قصہ اور روایت نہ سنداً صحیح ہے اور نہ عقلاً۔ یہ قصہ تین حضرات سے منقول ہے: حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے، جن سے یہ معان بن رفاعہ عن علی بن یزید عن القاسم بن عبدالرحمٰن کے طریق سے مروی ہے، اس سند میں علی بن یزید متروک راوی ہے، امام بخاریؒ اور امام عقیلیؒ نے اسے "منکر الحدیث"، امام نسائیؒ نے "ليس بثقة" اور "متروك" قرار دیا ہے اور حافظ ذہبیؒ نے فرمایا: ضعفوه و تركه الدار قطني. (التاريخ الكبير: ۳۰۱/۶، الضعفاء الكبير: ۲۵۶/۳، كتاب المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين: ۳۶/۳)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہ قصہ منقول ہے اور جس سند کے ساتھ ان سے یہ قصہ منقول ہے، محدثین کے نزدیک وہ مینگنی کے برابر بھی نہیں، کیوں کہ یہ سند "مسلسل بالعوفیین" ہے اور وہ سب کے سب ضعیف ہیں۔

امام حسن بصریؒ تیسرے شخص ہیں جن سے یہ قصہ منقول ہے، ان سے یہ قصہ اس سند کے ساتھ منقول ہے: ابن حميد قال: حدثنا سلمة عن ابن إسحاق عن عمرو بن عبيد عن الحسن، یہ سند انتہائی ضعیف ہے، جس میں کئی علتیں ہیں: (۱) ارسال (۲) عمرو بن عبید ابو عثمان بصری معتزلی ہے جو تباہ حال ہے، محدثین نے اس کو متروک اور جھوٹ بولنے والا قرار دیا ہے۔ (ميزان الاعتدال: ۳/ ۲۸۰ ـ ۲۸۳، تهذيب التهذيب: ۸/ ۷۰ ـ ۷۵، كتاب المجروحين: ۶۶/۲)

یہ تو اس قصے اور روایت کا حال ہے، جس کو بنیاد بنا کر امام نسفیؒ نے امام زمخشریؒ کی اتباع میں ان آیتوں کی تفسیر کی ہے۔

☆......سورۃ الطور کی آیت کریمہ: ﴿الذین یجتنبون کبائر الإثم والفواحش إلا اللمم...﴾ کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا: .. ﴿إلا اللمم﴾ أي: الصغائر، الاستثناء منقطع؛ لأنه ليس من الكبائر والفواحش، وهو: كالنظرة واللمسة والغمزة. (مدارك التنزيل: ۱۷۱۸/۳) یعنی "لمم" سے مراد صغائر ہیں اور یہ استثناء منقطع ہے، کیونکہ "لمم" کبائر و فواحش میں داخل نہیں۔ "لمم" کی مثال جیسے غیر محرم کو دیکھنا، چھونا اور آنکھ مارنا...... نظرة، لمسة اور غمزة کو لمم (صغائر) میں داخل کرنا محل نظر ہے، کیوں کہ ان تینوں کے متعلق وعید آئی ہے جو ان کے کبیرہ ہونے کی نشانی ہے۔ مثلاً: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم...﴾، ﴿ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن﴾، ﴿يعلم خائنة الأعين وما تخفي الصدور﴾ یہ آیات کریمہ نظر اور غمز کی حرمت پر دال ہیں، حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: "يا علي، لا تتبع النظرة النظرة، فإنما لك الأولى، وليست لك الأخرة". (رواه أبو داود والترمذي عن بريدة، كذا في نيل الأوطار: ۱۱۱/۶) ۔ایک اور حدیث میں ہے: "ما من مسلم ينظر إلى محاسن امرأة، ثم يغض بصره إلا أخلف الله له عبادة، يجد حلاوتها في قلبه"؛ (رواه أحمد)۔ حدیث قدسی ہے: "النظرة سهم من سهام إبليس، من تركها من مخافتي، أبدلته إيماناً يجد حلاوته في قلبه". (رواه الطبراني والحاكم عن ابن مسعود، كذا في النفحات السلفية شرح الأحاديث القدسية: ص ۱۰۳) یہ احادیث بھی ان گناہوں کے کبیرہ ہونے پر دال ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: رد المحتار: ۳۶۶/۶، ۳۶۷، الكتاب مع اللباب: ۱۶۲/۴، القوانين الفقهية: ص ۱۹۳-۱۹۴، مغني المحتاج: ۱۲۸/۳ وما بعدها، كشف القناع: ۹/۵-۱۵، المغني: ۵۵۲/۶-۵۶۳، أحكام القرآن لابن العربي: ۱۳۶۲/۳، أحكام القرآن: ۳۱۸/۳، الشرح الصغير: ۲۸۸/۱ وما بعدها.

بہر کیف یہ چند فروگذاشتیں ہیں، جو لا تعدم الحسناء ذاماً کے مصداق نہایت معمولی ہیں، کتاب کے باقی محاسن اور خوبیوں کے مقابلے میں یہ قابلِ ذکر نہیں۔

پیش نظر مطبوعہ نسخہ: تفسیر نسفی برصغیر پاک و ہند، بیروت اور دیگر اسلامی شہروں میں کئی بار چھپ چکی ہے، ہمارے پیش نظر نسخہ "دار القلم اللبنانیہ" کا فوٹو ہے، جسے قدیمی کتب خانہ کراچی نے چھاپا ہے، طباعت کا معیار درمیانہ، جلد بندی مضبوط اور کاغذ ہلکا ہے۔ اصل لبنانی نسخہ میں سلیقہ مندی کی گنجائش ہے، پروف خوانی کی غلطیاں بھی بکثرت ہیں۔

لبنانی نسخے کے شروع میں دو صفحات کا مقدمہ ہے، جو جمہوریہ لبنان کے "دار الفتویٰ" میں دفتر مذہبی امور کے سربراہ شیخ قاسم شمالی رفاعی نے تحریر کیا ہے، جب کہ اس ایڈیشن کی تیاری میں نگرانی، مراجعت اور ضبط و ترتیب کا کام شیخ ابراہیم محمد رمضان نے سرانجام دیا ہے۔ یہ نسخہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

☆......☆......☆